

تدبیر قرآن

۹۳

الضحیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۱۔ سورہ کا عمود اور سابق و لاحق سے تعلق

یہ سورہ اور بعد کی سورہ ————— اَللّٰہُ نَشْرَحُ ————— دونوں تو امر کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نئے آپ کو جس مشن پر مامور فرمایا ہے اس میں آپ فائز المرام ہوں گے۔ راہ میں جو رکاوٹیں اس وقت نظر آ رہی ہیں وہ سب دور ہو جائیں گی۔ یہ مضمون کچھلی سورتوں میں بھی آیا ہے۔ البتہ دوسرے مطالب کے ضمن میں آیا ہے لیکن ان دونوں کا خاص مضمون ہی یہی ہے۔ ان کے آئینہ میں آپ کی زندگی کے تمام مراحل گویا آپ کے سامنے رکھ دیے گئے ہیں۔ ان میں تسلی کا جو انداز اختیار فرمایا گیا ہے اس پر غور کیجیے تو معلوم ہوتا ہے کہ سورہ ضحیٰ مکی زندگی کے اس دور میں نازل ہوئی ہے جب دعوت کی مخالفت اتنی شدت اختیار کر گئی ہے کہ آپ آگے کی راہ مسدود پا کر دل گرفتہ رہنے لگے اور سورہ اَللّٰہُ نَشْرَحُ اس دور میں نازل ہوئی ہے جب مخالفت کی شدت کے علی الرغم انقی میں کامیابی کے کچھ آثار بھی نمایاں ہونے لگے ہیں۔

ب۔ سورہ کے مطالب کا تجزیہ

سورہ کے مطالب کی ترتیب اس طرح ہے:

پہلے آفاق کے شواہد سے اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ جس طرح اس دنیا کی مادی صلاحیتوں کو بردے کا رلانے کے لیے دن کی حرارت و روشنی کی بھی ضرورت ہے اور رات کی خنکی اور تاریکی کی بھی اسی طرح انسانی فطرت کے منفی جواہر کو اجاگر کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان غم اور ٹیسر، دکھ اور سکھ، رنج اور راحت، دونوں طرح کے حالات سے گزارا جائے۔ جو لوگ زندگی کی تربیت میں ان امتحانوں کا مقام سمجھتے اور ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں ان کی اعلیٰ صلاحیتیں ان سے پروان چڑھتی ہیں اور جو ان سے عہدہ برآ ہونے کی حکمت سے ناواقف ہوتے ہیں یا اپنی پست ہمتی کے سبب سے ان سے وہ فائدہ نہیں اٹھاتے جن کے لیے قدرت نے ان کو مقدر

کیا ہے وہ اپنے آپ کو اس منقام بلند سے محروم کر لیتے ہیں جو اس امتحان سے گزرے بغیر انسان کو حاصل نہیں ہوتا۔

اس اصولی حقیقت کے بیان کرنے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے تسلی دی ہے کہ اس وقت جس امتحان سے آپ گزر رہے ہیں وہ خدا کی طرف سے کسی بے اتفاتی یا آپ پر کسی عتاب کے سبب سے نہیں پیش آیا ہے بلکہ یہ اسی امتحان کا ایک حصہ ہے جو انسان کی روحانی اخلاقی تربیت کے لیے ضروری ہے۔

اس کے بعد آپ کو بشارت دی ہے کہ آپ اس وقت جس دور سے گزر رہے ہیں یہ مقدمہ ہے ایک ایسے دور کا جو اس سے بہت بہتر ہوگا اور اس میں آپ کا رب کریم ان فیروز مندلیوں اور کامرانوں سے آپ کو نوازے گا جو آپ کو نبال کر دیں گی۔

اس کے بعد آپ کی زندگی کے بعض ان مراحل کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو بعثت سے پہلے یا ابتدائے بعثت میں آپ کو پیش آئے اور جو نظا ہر کٹھن تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان سے آپ کو نکالا اور اس طرح نکالا کہ دنیا کی راہیں بھی آپ کے لیے فراخ ہوئیں اور روحانی فتوحات کے دروازے بھی کھلے۔

آخر میں آپ کو ان نعمتوں کے حقوق ادا کرنے کا طریقہ تعلیم فرمایا گیا جو آپ کو حاصل ہوئیں۔ اس میں ضمناً ان لوگوں پر قہر بھی ہے جن کا ذکر سابق سورتوں میں آیا ہے کہ وہ نعمتیں پا کر اللہ سے اکڑتے اور اس کے بندوں کے حقوق تلف کرنے والے بن گئے۔

سُورَةُ الضُّحَىٰ

مَكِّيَّةٌ ۱۱ آيات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 وَالضُّحٰی ۱ ۱۱-۱ ۱۱-۱
 وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰی ۲ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ
 وَمَا قٰلٰی ۳ ۱۱-۱ ۱۱-۱
 وَلَا الْاٰخِرَةَ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاَوَّلٰی ۴ ۱۱-۱ ۱۱-۱
 یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی ۵ ۱۱-۱ ۱۱-۱
 وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰی ۶ ۱۱-۱ ۱۱-۱
 وَوَجَدَكَ عَابِدًا فَاغْنٰی ۷ ۱۱-۱ ۱۱-۱
 فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تُقْهَرُ ۸ ۱۱-۱ ۱۱-۱
 وَامَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرُ ۹ ۱۱-۱ ۱۱-۱
 وَامَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۱۰ ۱۱-۱ ۱۱-۱

۱۱-۱
 ۱۱-۱
 ترجمہ آیات

شاہد ہے وقتِ پاشت اور شاہد ہے رات جب پر سکون ہو جاتی ہے
 کہ تیرے خداوند نے نہ تجھے چھوڑا اور نہ تجھ سے بیزار ہوا۔ اور بعد کا دور تیرے لیے
 پہلے سے بہتر ہوگا۔ اور تیرا خداوند تجھے عطا فرمائے گا پس تو نہال ہو جائے گا۔ ۱-۵
 کیا اس نے تجھے یتیم پایا تو ٹھکانا نہ دیا! جو پائے راہ پایا تو راہ نہ دکھائی!
 اور محتاج پایا تو غنی نہیں کیا! ۶-۸

تو جو یتیم ہے اس کو مت دباؤ اور جو سائل ہو اس کو نہ بھڑکیو، اور اپنے
 پروردگار کی نعمت کا بیان کیجیو۔ ۹-۱۱

الفاظ و اسالیب کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَالضُّحٰی ۙ وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰی (۱-۲)

ضحیٰ چاشت کے وقت کو کہتے ہیں جب دن کی مرگرمیوں کا آغاز ہوتا اور انسان رات میں آرام کے بعد از سر نو تازہ دم ہو کر، جدوجہد کے میدان میں اترتا ہے۔

رات اور دن کی شہادت قرآن میں، موقع کی مناسبت سے، مختلف پہلوؤں سے پیش کی گئی ہے۔ رات اور دن کی وضاحت ان کے محل میں ہو چکی ہے۔ یہاں اس کے ساتھ اِذَا سَجٰی کی قید لگی ہوئی ہے۔

سَجٰی کے معنی دگدگ اور مسکن، یعنی ٹھک جانے اور ساکن ہو جانے کے آتے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ یہاں رات کا وہ وقت پیش نظر ہے جب وہ دن کے شور و شغب اور تبدلے شب کے ہنگاموں سے نکل کر اچھی طرح ٹھک جاتی اور انسان کو سکون و راحت بخشنے کے قابل بن جاتی ہے۔ گویا لفظ ضحیٰ سے جو حصہ دن کا مراد لیا گیا ہے وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰی سے اس کے بالمقابل شب کا حصہ مراد لیا گیا ہے۔

یہ دن اور رات غور کیجیے تو معلوم ہو گا کہ اپنی شکل و صورت، اپنے مزاج اور اپنے اثرات کے لحاظ سے اگرچہ بالکل مختلف ہیں لیکن اس اختلاف کے باوجود انسان بھی اپنی زندگی کے لیے ان کا محتاج ہے اور یہ دنیا بحیثیت مجموعی بھی اپنی بقا کے لیے ان کی حاجت مند ہے اور خالق کائنات کی یہ بہت بڑی رحمت و عنایت ہے کہ اس نے دن کے ساتھ رات اور رات کے ساتھ دن کو وجود بخشا اور ان دونوں کے تفاعل سے وہ مصالح پورے ہوتے ہیں جو اس دنیا کے بقا کے لیے ضروری ہیں۔ قرآن نے ان دونوں کے تفاعل کا جگہ جگہ ذکر کیا ہے، مثلاً:

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ اللَّیْلَۃَ لِتَسْكُنُوْا فِيْہِہِۭ وَ النَّہَارَ مُبْعِثًا لَّکُمْ

وہی خدا ہے جس نے تمہارے لیے رات کو تاریک بنا یا تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرو اور دن کو روشن بنا یا تاکہ تم اس میں جدوجہد کرو۔

رہونس - ۱۰: ۶۷

سورہ قصص میں فرمایا ہے:

وَمِنْ رَّحْمَتِہِۭ جَعَلَ لَکُم

اور یہ اس کی رحمت میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے

الْیَلِّ وَاللَّهَارَ لِنَسْكَوْنَا
فِیْهِ وَیَتَّبَعُوْنَا مِنْ فَضْلِیْ
ذَلَّلْكُمْ تَشْكُوْنَا ۝

(القصص - ۲۸: ۷۳)

رات اور دن بنائے تاکہ تم رات میں سکون
حاصل کرو اور دن میں اس کے رزق و فضل
کے طلب کرنے والے بنو اور تاکہ تم اپنے رب
کے شکر گزار رہو۔

مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ (۳)

یہ وہ اصل مدعا ہے جس کو مبراہین کرنے کے لیے ادھر کے آفاقی شواہد کی قسم کھائی گئی ہے مطلب رنج اور راحت
یہ ہے کہ جس طرح اس دنیا میں سورج کی روشنی اور حرارت بھی ضروری ہے اور رات کی تاریکی اور
سکون بھی اسی طرح انسان کی روحانی اور اخلاقی تربیت کے لیے عُمس اور گیسر، نرمی اور درشتی، فقر
اور غنیگی کی آزمائشیں بھی ضروری ہیں۔ انہی کے ذریعے اللہ تعالیٰ، جیسا کہ سورہ فجر میں وضاحت فرمائی
ہے، اپنے بندے کے صبر یا شکر کا امتحان کرتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اس وقت اگر تم غنی لہو کی مخالفت
اعوان و انصار کی قلت اور اسباب و وسائل کی کمی سے دوچار ہو یا آسمانی دروہانی کمک کی جتنی ضرورت
محسوس کر رہے ہو اتنی تمہیں نہیں پہنچ رہی ہے تو اس کے معنی ہرگز یہ نہیں ہیں کہ اب تمہارے رب
نے تمہیں چھوڑ دیا ہے یا تم سے بیزار ہو گیا ہے بلکہ یہ تمہاری تربیت کے لیے تمہارا امتحان ہے
تاکہ تم اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لیے اچھی طرح تیار ہو جاؤ۔

اس آیت کے اندر یہ سارا مضمون مضموم ہے جو اوپر کی آیات سے بھی واضح ہو رہا ہے اور
آگے کی آیات اور اس کے بعد کی سورہ سے بھی، جیسا کہ آپ دیکھیں گے، واضح ہوگا لیکن بتقافائے
ایجاز مقسم علیہ کی حیثیت سے سب سے نمایاں تسلی کے مضمون کے اسی پہلو کو کیا گیا ہے جس کے آپ
اس دور میں خاص طور پر محتاج تھے یعنی یہ اطمینان دلادیا گیا کہ جن حالات سے اس وقت آپ دمچا
ہیں اس کی وجہ آپ کے معاملہ سے اللہ تعالیٰ کی بے تعلقی یا ناتواشی نہیں بلکہ سنتِ الہی کے مطابق
آپ کی تربیت ہے۔

یہ امر واضح رہے کہ کبھی دور میں قریش کی مخالفت جب زیادہ شدت اختیار کر گئی تو اس سے
آپ کو خاص پریشانی جو ہوئی وہ یہی ہوئی کہ مبادا ان لوگوں کی اس بیزاری میں آپ کی کسی کوتاہی
یا بے تدبیری کو کوئی دخل ہے جو اللہ تعالیٰ کے عتاب کا سبب ہوئی جس کے باعث یہ حالات
پیش آرہے ہیں۔ آپ کا یہ احساس ظاہر ہے کہ ایک نہایت کم شکن احساس تھا چنانچہ آگے الی سورہ
میں اس کو کم شکن بوجھ سے تعبیر فرمایا گیا ہے: ۝ وَوَضَعْنَا عَنكَ ۝ ذُرِّيَّةً ۝ الَّتِي حَقَّ الْفَقْصُ
ظَهَرَكَ (الم نشرح - ۲۱: ۹۴-۹۳)

اس پریشانی میں قدرتی طور پر آپ کو سب سے زیادہ بے چینی کے ساتھ وحی الہی کا انتظار ہوتا

یہاں پر
اس کی
تفسیر
ہو رہی
ہے

اس لیے کہ یہی واحد چیز ہے جو تاریک حالات میں روشنی بھی دکھا سکتی ہے اور اسی سے آپ کو یہ اندازہ بھی ہوتا کہ آپ فریضہ دعوت رب کے منشا کے مطابق انجام دے رہے ہیں یا اس میں کوئی کوتاہی یا بے تدبیری ہو رہی ہے۔ لیکن وحی کا معاملہ تمام تر اللہ تعالیٰ کی حکمت پر مبنی ہے۔ ضروری نہیں کہ حضور کو انتظار اور پریشانی ہو تو وحی نازل بھی ہو جائے۔ چنانچہ ان حالات میں وحی کے وقفے سے آپ کی پریشانی فطری طور پر دو چند ہو جاتی۔ حضور کی ان پریشانیوں کا ذکر مکی سورتوں میں جگہ جگہ ہوا ہے اور ہم ان کی پوری وضاحت کرتے آ رہے ہیں۔ تفصیل مطلوب ہو تو سورہ اظہ اور سورہ قیامہ کی تفسیر میں متعلق مباحث پر ایک نظر ڈال لیجئے۔

اس آیت میں آپ کو جو تسلی دی گئی ہے وہ اسی طرح کے حالات میں دی گئی ہے، ضروری نہیں کہ کفار میں سے کسی کے اس طعنہ کے جواب میں کہ اس شخص کو اس کے رب نے چھوڑ دیا، یہ آیت اتری ہو۔ کفار یہ مانتے کب تھے کہ اللہ تعالیٰ سے آپ کا یا آپ کی دعوت کا کوئی خاص رابطہ ہے اور وہ آپ پر وحی بھیجتا ہے! وہ تو آپ کو کاہن اور شاعر کہتے تھے۔ پھر یہ کہ وحی کے آنے یا نہ آنے کا تجربہ صرف حضور کو ہوتا تھا، کفار کو کینا معلوم کہ وحی کا سلسلہ قائم ہے یا بند ہے؟ جہاں تک تبلیغ و دعوت کا تعلق ہے وہ آپ نے ایک دن کے لیے بھی کبھی بند نہیں کی کہ کفار کو یہ طعنہ دینے کا موقع ملے کہ اب یہ شخص اپنے منصب پر مامور نہیں رہا یا اس کے رب نے اس کو چھوڑ دیا۔

وَلَا خِذْلًا خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُولٰٓئِ (۴)

یہاں 'اخذت' اور 'اولیٰ' کے الفاظ دنیا اور آخرت کے اصطلاحی مفہوم میں نہیں بلکہ عام مفہوم یعنی دعوت کے دورِ آخر اور دورِ اول یا اس کے حاضر و مستقبل کے مفہوم میں استعمال ہوئے ہیں۔ یہ اسی تسلی کے مضمون کی مزید وضاحت ہے کہ اس وقت جو حالات ہیں وہ بدل جائیں گے اور مستقبل ماضی و حاضر سے بہت بہتر ہوگا۔ اس مضمون کی بشارت خفی اور جلی دونوں طرح قرآن نے جگہ جگہ دی ہے اور قدیم صحیفوں میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق جو پیشین گوئیاں وارد ہیں ان میں آپ کی دعوت کے آغاز کو رات کے دانے کی تمثیل سے سمجھایا ہے جو ہوتا تو نہایت چھوٹا ہے لیکن جب اگتہ ہے تو اس کا پورا سب ترکاریوں سے بڑا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ پرندے اس میں بسرا لیتے ہیں۔

لفظ 'خیر' سے یہاں جو بشارت دی گئی ہے وہ ایک جامع بشارت ہے جس کے اندر دین کے غلبہ و تمکین، مکہ کی فتح، دشمنوں کی پامالی اور دین میں داخل ہونے والوں کی کثرت کے وہ سارے پہلو جمع ہو گئے ہیں جو سابق سورتوں میں بھی بیان ہوئے ہیں، آگے والی سورہ میں بھی ان کی طرف اشارہ

تسلی کے مضمون
کی مزید وضاحت

جامع
رت

ہے اور سورہ نصر میں بھی ان کی وضاحت آئے گی۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ (۵)

فرمایا کہ عنقریب تمہارا رب تمہیں دے گا اور تم نہال ہو جاؤ گے۔ یہاں اگرچہ واضح نہیں فرمایا کہ کیا دے گا لیکن قرینہ دلیل ہے کہ اس سے مراد وہی خیر ہے جس کی بشارت اوپر والی آیت میں دی گئی ہے اور جو ماویٰ ہے ان تمام قیروز مندلیوں اور کامرانوں پر جو بعد کے ادوار میں اسلام کو حاصل ہو رہیں۔ چونکہ ابھی یہ ساری باتیں پردہ غیب میں تھیں اس وجہ سے يُعْطِيكَ کے مفعول ثانی کو ظاہر نہیں فرمایا لیکن اس کے بعد فَتَرْضَىٰ کے لفظ نے کسی قدر اس شاندار مستقبل کی جھلک دکھا دی کہ اتنا دے گا کہ بس تم نہال ہو جاؤ گے! — اس ایک ہی لفظ کے اندر وہ سب کچھ موجود ہے جو ایک دفتر میں بھی نہیں سما سکتا۔

الْوَيْحِدُكَ يَتِيْمًا قَادِي ۚ وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ ۚ وَوَجَدَكَ

عَائِلًا فَاعْتَمَدْنَا (۷-۸)

یہ اسی بات کو جو اوپر آیت ۴ میں ارشاد ہوئی کہ تمہارا مستقبل ماضی سے بہتر ہوگا، مؤکدہ حضور کی زندگی کے کرنے کے لیے خود حضور ہی کی زندگی کے بعض سبق آموز حالات کی طرف توجہ دلائی کہ غور کرو تو تمہیں اپنی ہی زندگی اس حقیقت کی نہایت عمدہ تفسیر نظر آئے گی۔

حضور کی زندگی کے
بعض سبق آموز حالات
کی طرف اشارہ

سب سے پہلے آپ کی یتیمی کا سوالہ دیا۔ یتیمی اول تو خود ہی ایک بہت بڑی مصیبت ہے لیکن معاشرہ اگر اس حد تک بگڑا ہوا ہو جس کی تصویر پھیلی سورتوں میں کھینچی گئی ہے تو اس میں یتیم کے لیے کوئی جگہ نہیں ہوتی۔ چنانچہ فرمایا ہے: كَلَّا بَلْ كَلَّمَكُم مِّنْ اٰلِيْتِمٍ ذَا الْفَجْرِ (۱۰۹:۱۰۸) (ہرگز نہیں، بلکہ تم یتیم کی کوئی عزت نہیں کرتے) اسی طرح حضور ہی کے خاندان کے بعض افراد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: فَذٰلِكَ الَّذِيْ بَدَعُ الْيَتِيْمَ (الماعون-۱۰۷:۲) (وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے)۔

لیکن حضور کے حال پر اللہ تعالیٰ کا یہ خاص فضل ہوا کہ باوجودیکہ آپ کے والد ماجد نے کوئی قابل ذکر ترکہ نہیں چھوڑا لیکن آپ کے دادا اور ان کے بعد آپ کے چچا نے آپ کی پرورش کی اور نہایت عزت اور شفقت کے ساتھ پرورش کی۔ عام حالات میں دادا کے دل میں یتیم پوتے کے لیے شفقت اور چچا کے دل میں یتیم بھتیجے کے لیے عزت و محبت کا پایا جانا کوئی نادر بات نہیں بلکہ انسانی فطرت کا ایک بدیہی تقاضا ہے لیکن ایک فاسد معاشرہ میں، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، یہ ایک نادر الوجود بات ہے اور یہ بنیبراس کے ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی یتیم پر اپنے جمال و محبت کا وہ پر تو ڈال دے جو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ڈال دیا کہ ان کی پرورش ان کے سب سے

بڑے دشمن فرعون نے اپنے محل میں کی۔

دُوَّجَدَكَ مَنَالًا فَهَسَدَىٰ - یہ اس روحانی انعام کا بیان ہے جو آپ پر بعد کے دور میں ہوا۔

معلوم ہے آپ کو جو رسوم و روایات خاندان کے بزرگوں سے وراثت میں ملیں ان پر آپ کی سلیم فطرت ایک لمحے کے لیے بھی مطمئن نہ ہو سکی اور دوسری کوئی ایسی روشنی تھی نہیں جو آپ کے لیے سرمایہ تسکین بن سکتی۔ آسمانی مذاہب کے پیرو جو آپ کے گرد پیش تھے ان کا حال البقرة، آل عمران اور دوسری مدنی سورتوں سے واضح ہو چکا ہے کہ ان کے عقائد و اعمال اس قدر منج ہو چکے تھے کہ کوئی جو یا مئے حقیقت ان سے کوئی رہنمائی حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ اس صورت حال نے آپ کو ایک شدید قسم کی ذہنی کشمکش میں ڈال دیا تھا۔ آپ کی اسی کشمکش کو یہاں دُوَّجَدَكَ مَنَالًا کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مَنَالٌ یہاں گمراہ کے معنی میں نہیں بلکہ جو یا مئے راہ کے معنی میں ہے۔ حضرات انبیاء و علیہم السلام بعثت سے پہلے بھی فطرت سلیم پر ہوتے ہیں۔ وہ زندگی کے ابتدائی دور میں بھی فطرت کی بدیہیات سے کبھی منحرف نہیں ہوتے لیکن فطرت صرف عقائد و اعمال کی موٹی موٹی باتوں ہی میں رہنمائی کر سکتی ہے۔ تمام عقائد اور ان کے سارے تفصیلات و لوازم کی زد وہ تشریح کر سکتی اور فتنہ تمام اعمال و اخلاق کی صحیح صحیح حد بندی اس کے بس میں ہے اس وجہ سے فطرت پر ہونے کے باوجود ایک شخص یہ جاننے کا محتاج ہی رہتا ہے کہ جس خدا کے وجود پر اس کا دل گواہی دے رہا ہے اس کی صفات اور ان صفات کے تقاضے اور مطالبے کیا ہیں؟ اس کے کیا حقوق بندے پر عائد ہوتے اور وہ کس طرح ادا کرنے ہیں؟ زندگی کی ایسی ضابطہ بندی کس طرح کی جائے کہ وہ پوری کی پوری، اپنے بعید ترین گوشوں میں بھی، خالق کی پسند کے مطابق ہو جائے؛ جب تک یہ سوالات حل نہ ہوں اس وقت تک نہ انسان کو حقیقی اطمینان حاصل ہو سکتا اور نہ رب کے ساتھ اس کا حلق ہی استوار ہو سکتا۔ یہی سوالات ہیں جو پوری شدت کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر زندگی کے اس دور میں مستولی تھے جس کی طرف دُوَّجَدَكَ مَنَالًا کے الفاظ اشارہ کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ حالت تہ ضلالت کی ہے اور نہ اس کو ہدایت سے تعبیر کر سکتے بلکہ صحیح الفاظ میں یہ جستجوئے راہ کی سرگردانی ہے۔ گویا ایک شخص چوراہے پر کھڑا ہو اور فیصلہ نہ کر پارہا ہو کہ کس سمت میں قدم بڑھائے۔ بعثت سے پہلے غار حراء کی تنہائیوں میں آپ انہی گتھیوں کو سلجھانے میں مگم رہے۔

بعثت سے پہلے عرب میں دین حنیفی کے پیڑوں کا حال کتابوں میں اس طرح بیان ہوا

ایک جیلئے راہ
کی گرگردانیں
اور خدا کی
دست گیری

بعثت سے پہلے دین حنیفی
کے پیڑوں کا حال

ہے کوٹان میں سے بعض افراد ایسی شدید الجھن میں مبتلا تھے کہ وہ بیت اللہ سے ٹیک لگا کر حرم میں بیٹھ جاتے اور نہایت حسرت کے ساتھ کہتے کہ اے رب! ہم نہیں جانتے کہ تیری عبادت کس طرح کریں در نہ اسی طرح کرتے۔ یہی حال اس وقت تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی رہا ہو گا جب تک آپ ایمان کی حقیقت اور کتاب سے روشناس نہیں ہوئے، چنانچہ قرآن میں اسی حالت کی طرف یوں اشارہ فرمایا ہے: **وَكذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِى مَا اَلِكْتٰبٌ وَلَا اِلٰهَ اِيْمَانٌ وَّلٰكِنُّنْ جَعَلْنٰهُ نُورًا مَّهْدًى بِهٖ مِّنْ نَّشَاۗءٍ مِّنْ عِبَادِنَا (الشعوریٰ - ۴۲: ۵۲)** اور اسی طرح ہم نے تمہاری طرف ایک روح وحی کی جو ہمارے امر میں سے ہے، نہ تم کتاب سے آشنا تھے اور نہ ایمان سے لیکن ہم نے اس وحی کو روشنی بنایا جس سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں راہ دکھاتے ہیں اس حالت کو سورہ یوسف میں 'غفلت' کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے **وَاِن كُنْتَ مِنْ تٰبِلٰهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ (یوسف - ۱۲: ۳)** (اور بے شک اس سے پہلے تم اس سے بے خبروں میں سے تھے) **وَوَجَدَكَ عَابِلًا اَفَاغْنٰی فَرَمٰی اَکْهَمْنٰی مَخْتٰجَ اٰیٰتِیْ لَوْ غٰنٰی اَوْ رَفَقَ کَ اَجْتٰ تَعْلُقَ مَا رَکٰی** اسباب و وسائل سے ہنسنے اس سے زیادہ قلب کے احوال سے ہے۔ آدمی کا سینہ ایمان سے خالی ہو تو وہ محتاج ہے اگرچہ اس کے پاس تارون کا خزانہ ہو اور اگر ایمان سے اس کا سینہ معمور ہے تو وہ غنی ہے اگرچہ وہ حضرت یحییٰ کی طرح کھل کی پوشاک پہنتا اور جنگلی شہد اور ٹیلوں پر گزارہ کرتا ہو۔ یہی حکمت یوں سمجھائی گئی ہے کہ الغنی غنی القلب (حقیقی غنا دل کا غنا ہے) یہ حقیقی غنا ایمان، اللہ کی معرفت اور اس کی کتاب کے نور سے پیدا ہوتا ہے جس کو یہ دولت حاصل نہیں ہوئی وہ دنیا کی حرص سے کبھی پاک نہیں ہو سکتا اور جو حرص ہے اس کا کاسہ گدا کی کبھی نہیں بھرتا۔

کاسہ چشم حویلیاں پُر نہ شد

یہ دنیا علم اسباب ہے اس وجہ سے اس میں انسان اسباب کا محتاج ہے۔ اگر سید علم صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدہ خدیجہ کے مال سے کچھ فائدہ پہنچا تو یہ حضرت خدیجہؓ اور ان کے مال کی ایسی خوش بخشی تھی ہے جو اس زمین پر کسی مال اور کسی صاحب مال کو مشکل ہی سے حاصل ہوئی ہوگی لیکن وہ غنا جس کا یہاں ذکر ہے مجرد مال سے، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، نہیں حاصل ہوتا بلکہ یہ اصل اس ہدایت کا ثمر ہے جس کا ذکر ادرالی آیت میں ہے اور جس کی صحیح تعبیر وہ شرح صدر ہے جس کی تفصیل بعد کی سورہ **اِنَّکُمْ تُسْخَرُ** میں، جو اس کی توام ہے، آئے گی۔ جن لوگوں نے اس غنا کو تمام تر حضرت خدیجہ کے مال کا نتیجہ قرار دیا ہے ان کی نظر صرف ظاہر پر ٹپک گئی حالانکہ اصل حقیقت اس سے ماورا ہے جو دیکھی نہیں جاسکتی بلکہ صرف سمجھی جاسکتی ہے۔ یہاں اشارات پر تفسیر فرمائیے۔ آگے آخری آیت کے تحت بھی اور سورہ **اِنَّکُمْ تُسْخَرُ** میں بھی اس کے بعض مخفی پہلو ان شاء اللہ زیر بحث آئیں گے۔

فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تُفْهَرُ وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرُ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ

فَحَدِّثْ (۹-۱۱)

یہ ان انعامات کا، جو اوپر مذکور ہوئے، حق بیان ہوا ہے اور انداز بیان ایسا ہے جس میں ان لوگوں پر نہایت لطیف تعریف بھی ہے جن کا حال کچھلی سورتوں میں بیان ہوا ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں عطا فرمائیں ان کو اس کا انعام سمجھنے اور اس کے شکر گزار ہونے کی بجائے وہ اس گنہگار میں مبتلا ہو گئے کہ یہ جو کچھ ان کو ملا ہے یہ اسی کے حقدار ہیں۔ فرمایا کہ تم یہ روشن نہ اختیار کرنا بلکہ تمہاری یتیمی کی حالت میں تمہارے رب نے جس طرح تم کو پناہ دی اسی طرح تم یتیموں کو پناہ دینا، ان پر شفقت اور کرم کی نظر رکھنا اور ان کے حقوق کی حفاظت کرنا۔ آیت دُنَا كَلِمَاتِ الْمُنْتَلٰتِ اَكْلًا كَمَا زَالَفَجُو۔ ۸۹، ۱۹۰ کے تحت ہم واضح کر چکے ہیں کہ جاہلی معاشرہ میں زور اور عصبات اور اقرباء کمزور وارثوں اور یتیموں کے حقوق دبا بیٹھتے اور ساری وراثت تنہا سمیٹ لیتے۔ فَلَا تُفْهَرُ کے الفاظ میں اسی صورت حال کی طرف اشارہ ہے۔ فَلَا تُفْهَرُ کے معنی یہ ہیں کہ یتیم کو کمزور پا کر اس کو دبانے اور اس کے حقوق غصب کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تشبیہ ظاہر ہے کہ اس بنا پر نہیں کہ گئی کہ آپ سے اس قسم کے کسی جرم کے صدور کا امکان تھا بلکہ یہ بالواسطہ قریش کے ان زور آوروں کو تشبیہ ہے جن کو کچھلی سورتوں میں ان کے اسی قسم کے غصب حقوق پر سرزنش فرمائی گئی ہے لیکن وہ اپنے رویے کی اصلاح کے بجائے رسول کی مخالفت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس سورہ میں ان کو نظر انداز کر کے رسول کو ہدایت فرمادی کہ دوسرے جو رویہ بھی اختیار کریں ان کو ان کے حال پر چھوڑو، تمہیں بہر حال یتیموں کے حقوق کی حفاظت کرنی ہے۔

فَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرُ یہ اس انعام کا حق بیان ہوا ہے جو اوپر دو جہادک صَآلًا فَهَدَىٰ کے الفاظ میں بیان ہوا ہے۔ لفظ سائل یہاں محدود معنی میں نہیں بلکہ وسیع معنی میں استعمال ہوا ہے۔ خواہ سائل اپنے پیٹ اور تن کی کسی ضرورت کے تحت سوال کرے یا اپنی کسی ذہنی و عقلی الجھن سے متعلق سوال کرے یا اپنے دین سے متعلق سوال کرے، غرض جس طرح کی بھی مدد و رہنمائی کا طالب ہو حتیٰ الامکان اس کی مدد و رہنمائی کی جائے اور اگر اس کا موقع نہ ہو تو خوبصورتی کے ساتھ اس کے سامنے معذرت پیش کر دی جائے، اس کو جھڑکا اور ڈانٹا نہ جائے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ بات یاد رکھنا کہ ایک دور تم پر بھی ایسا گزارا ہے جب تم سہرا پا سوال تھے اور ان سوالوں نے تمہاری زندگی صبیق میں ڈال رکھی تھی بالآخر تمہارے رب نے تمہاری ہر خلیش دور فرمائی اور تمہارے

ہر سوال کا جواب دیا۔ اس کا حق یہ ہے کہ تم بھی سائلوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، ان لوگوں کی روش نہ اختیار کرنا جن کا حال یہ ہے کہ خدا نے ان کو دے رکھا ہے تو مسکینوں اور سائلوں سے ترش روئی سے پیش آتے ہیں اور اگر ابھی کسی گردش میں خدا ان کو پکڑ لے تو کہیں گے کہ خدا نے مجھے ذلیل کر دیا، اس وقت ان کو یہ بات یاد نہیں آتی کہ انھوں نے خدا کے بندوں کو کس طرح ذلیل کیا ہے۔

وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فضل و انعام کا حق بیان ہوا ہے جو اوپر لوگوں کو دیا ہے۔ دُونَ جَدِّكَ عَابِلًا نَاعَسِي کے الفاظ میں بیان ہوا ہے۔ ہم اس کی وضاحت کرتے ہوئے کی حکمت اشارہ کر چکے ہیں کہ اس سے صرف وہ غنا مراد نہیں ہے جو حضور کو حضرت خدیجہ کے مال سے حاصل ہوا بلکہ اصلاً اس سے دین کی وہ حکمت اور شریعت کی وہ دولت مراد ہے جس کی شان قرآن میں یہ بیان ہوئی ہے کہ وَمَنْ يُؤْتِبِ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا لَبِقَوْلِ - ۲ : ۲۶۹ اور جس کو حکمت عطا ہوئی اس کو خیر کثیر کا خزانہ بخشا گیا۔ یہاں لفظ فَحَدِّثْ خاص طور پر نگاہ میں رکھئے۔ یہ مال کی نعمت کے لیے نہیں بلکہ حکمت کی نعمت ہی کے لیے موزوں ہے۔ فرمایا کہ جس حکمت کے خزانے سے تمہارے رب نے تم کو بہرہ ور کیا ہے اس کی تحدیث کرو یعنی جس طرح تمہارے رب نے تمہیں مفت بخشا ہے تم بھی اس کو مفت بانٹو، فیضانہ بانٹو، ہر آنے جانے والے کے سامنے اس کا چرچا کرو اور ہر نرم و انجمن کو اس کے ذکر سے معمور کر دو۔

رَبِّ كَرِيمٍ کے فضل سے اس سورہ کی تفسیر تمام ہوئی۔ فَالْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَىٰ إِحْسَانِهِ۔

لاہور

۶ فروری ۱۹۸۰ء

۱۹۔ ربیع الاول ۱۴۰۱ھ